Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189

http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

شمیم حیدر ترمذی بحیثیت خاکہ نگار
Shamim Haider Tirmizi As A Sketch Writer

حاجی محمد:
پی ایچ ڈی سکالر،اُردو،نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور،ملتان کیمپس
لائبریری انچارج، اِدارہ علومِ اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

ڈاکٹر محمد شکیل پتافی:
پروفیسر شعبہ اُردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور ،ملتان کیمپس

ABSTRACT

A review of the history of sketch writing (khaka nigari) in Urdu literature reveals that, like the novel, short story, and essay, this genre was also influenced by English literature and is not very ancient in its tradition. The formal beginning of sketch writing in Urdu can be traced to the 20th century. Just as the novel evolved into the short story, similarly, biography took the form of sketch writing. This genre holds significant literary value in terms of its depth and quality. The early traces of sketch writing in Urdu can be found in Muhammad Hussain Azad’s renowned work Aab-e-Hayat. Later, Shamim Haider Termizi contributed substantially to this art form by writing remarkable sketches while consciously adhering to the fundamental principles of sketch writing. Shamim Haider Termizi's style of presenting events in his character sketches is highly captivating and effective. He does not limit his portrayal to the external and internal traits of individuals but also delves deeply into their psychological aspects. Rather than adopting a reformist tone, his writing reflects critical insight and impartiality, which enables him to present living, breathing portraits of personalities before the reader.

Key words: Shamim Haider Termizi, sketch writing, Aab-e-Hayat, English literature, literary value, psychological aspects.

کلیدی الفاظ: شمیم حیدر ترمذی، خاکہ نگار ی، آب ِحیات،انگریزی ادب ،ادبی اہمیت، نفیساتی پہلو

ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی جہاں تنقید کے میدان میں تاثراتی تنقید سے عہدہ برآ ہوئے ،انشائے لطیف میں طبع آزمائی کی وہیں خاکہ نگاری میں بھی اپنی ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔ " میں

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

اور میرے" ان کے خاکوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اٹھائیس شخصیات کے خاکے شامل ہیں جسے ۲۰۰٤ء میں کاروان ادب لاہور نے شائع کیا۔

اردو ادب میں خاکہ نگاری کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ناول،افسانہ اور مضمون کی طرح یہ صنف بھی انگریزی ادب سے اردو میں آئی ہے۔اردو ادب میں خاکہ نگاری کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی سے ہوا اور اس کے ابتدائی نقوش محمد حسین آزاد کی تصنیف" آب حیات" سے ملتے ہیں۔اُردو نثر مختلف ارتقائی ادوار سے گزرنے کے بعد اس قابل ہو چکی ہے کہ ہم اِسے دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے ادب میں شامل کر سکتے ہیں۔ اُردو ادبی تحریکوں نے نہ صرف اردو نثر کونکھارا بلکہ اِسےایک نئی جہت بھی عطا کی ہے۔ جہاں تخلیق کا انداز بدلا وہیں تنقید کے کئی ایک زاویے بھی سامنے آئے۔ ادب پارے کی تفہیم کے لیے جہاں متن کے فنی و فکری پہلوؤں پر غور و خوض کیا گیا وہیں لکھاری کی ذات کے نفسیاتی اور عمرانی پہلوؤں کا جائزہ لینا بھی ضروری قرار پایا ۔ شخصیت فہمی اور شخصیت شناسی ماہرین نفسیات اور نقادوں کا مرغوب شیوہ رہا ہے۔ سوانح نگاری ، مرقع نگاری ، خود نوشت اور خاکہ نگاری کے ذریعے شخصیت کی پرکھ کی جاسکتی ہے۔ فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو ان میں ہر ایک کے سانچے الگ الگ ہوتے ہیں۔ رفیع‌الدین ہاشمی خاکہ کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"خاکہ" کے لغوی معنی ابتدائی نقشہ، ڈھانچہ یا چربہ کے ہیں۔ "خاکہ کھینچنا" کے معنی ہیں کسی کی

تصویر لفظوں میں پیش کردینا۔ ادبی اصطلاح میں خاکہ ایک ایسی تحریر یا مضمون کو کہتے ہیں جو کسی

شخصیت کا بھرپور تاثر پیش کرے۔ اسے ہم "کسی شخصیت کی قلمی تصویر" بھی کہہ سکتے ہیں۔"(۱)

خاکہ لکھنادریا کو کوزے میں بند کرنا ہے۔یہ خاکہ نگار کی ایمانداری، قوت مشاہدہ اور لفظوں کے ذریعے مصّوری کا امتحان ہوتاہے جس میں ذرا سی لغزش ناکامی کا باعث بنتی ہے۔ خاکہ نگاری بظاہر جتنی آسان ہے، حقیقت میں اتنی ہی دشوار ہے۔ یہ ایک پیچیدہ نثری صنف ہے جس میں ز ندگی کے نمایاں پہلوؤں کو بڑی چابکدستی سے سمویا جاتاہے۔خاکہ نگاری کے متعلق ناقدین ادب نے مختلف انداز میں اپنی آراء اور خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ابو الا عجاز حفیظ صدیقی خاکہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

خاکہ ایک سوانحی مضمون ہے۔ جس میں کسی شخصیت کے اہم اور منفرد پہلو اس طرح اجاگر کیے جاتے ہیں کہ کہ اس شخصیت کی ایک جیتی جاگتی تصویر قاری کے ذہن میں پیدا ہو جائے۔" (۲)

یعنی جس شخصیت کاخاکہ لکھا جائے ،اُس شخصیت کے کردار و افکار دونوں خاکہ میں موجود ہوں تا کہ اس کے نمایاں پہلوصورت ، سیرت ، ذہنی بلندی ، زوایہ نظر، خوبیاں ، خامیاں سب ہماری نظروں کے سامنے آ جائیں۔ہر شخص کو قدرت نے مخصوص شکل و صورت ، عادات، کردار ، اخلاق اور مناسب ذہنی و قلبی صلاحیتوں سے نوازا ہے جن کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا ایک مشکل فن ہے۔ خاکہ نگار ذاتی پسند وناپسند کو پسِ پُشت ڈال کر شخصیت کو مِن و عن پیش کرتا ہے۔ اس بارے میں یحییٰ امجد کہتے ہیں:

"خاکہ میں تو کسی شخصیت کو جیسی وہ ہوتی ہے۔ من و عن ویسا ہی پیش

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

کر دیا جاتا ہے۔ اسے اچھا یا بُرا کچھ اور ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اس کی زندگی کے مختلف واقعات کا علمی بصیرت سے انتخاب کر کے پوری فنی مہارت سے ان کی ترتیب قائم کی جاتی ہے اور یوں زندہ شخصیت سامنے آتی ہے۔ "(۳)

واضح ہواکہ خاکہ نگاری اسی شخصیت کی جا سکتی ہے جس سے خاکہ نگار ذاتی طور پر واقف ہو، اسے بہت قریب سے دیکھا اور جانا ہو۔ نیز اس شخص کی زندگی میں پیش آنے والے حادثات اور واقعات کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اُس کی زندگی کے نمایاں پہلو قاری پر آشکار ہو جائیں۔

اس بارے میں بشیر سیفی کی رائے کا کہنا ہے:

"خاکہ نگار کی موضوع شخصیت سے قربت بہت ضروری ہے کیونکہ انسان اپنے قریبی دوستوں پر کھُلتا ہے۔ عام لوگوں سے میل ملاقات میں عموماً رکھ رکھاؤ اور تکلف کا پردہ حائل رہتا ہے اور شخصیت کے رُخ پر نقاب سا پڑا رہتا ہے۔ "(٤)

خاکہ نگاری کی مندرجہ بالا تمام تعریفوں سے جو بات ہمارے ذہن میں آتی ہے وہ یہ کہ خاکہ نگاری ایک مختصر مگر مشکل اور پیچیدہ فن ہے۔ لیکن اس مشکل فن کی دلچسپ بات یہ ہے کہ خاکہ نگار کی قوت مشاہدہ اس قدر گہری ہو کہ وہ کسی بھی شخصیت کو اس انداز سے پیش کر سکے کہ وہ اپنی خوبیوں اور خامیوں سمیت قاری کے سامنے آ جائے۔اسی طرح انگریزی ادب میں مختلف مصنفین نے خاکہ نگاری کے متعلق اپنی آرا کا اظہار کیا ہے۔انگریزی میں خاکہ کے لیے Sketchکا لفظ مستعمل ہے۔ ہاپر کولنز خاکہ(Sketch)کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"1. A rapaid drawing or painting often a study of subsequent elaboration 2. A brief usually descriptive and informal essay or other literary composition 3. A short play, often comic, forming part of a revue. 4. A short evocative piece of instrumental music, esp for piano. 5. Any brief outline. 6. To make a rough drawing (of). 7. To make a brief description of."(٥)

خاکہ نگاری کے حوالہ سے آکسفورڈ ڈکشنری میں درج ہے:

"A simple picture that is drawn quickly and does not have many details."(٦)

خاکہ کی اُردو اور انگریزی کی تعریفوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خاکہ نگاری لفظی تصویر کشی ہے۔خاکہ لکھنا ذاتی نوعیت کا کام ہوتا ہے جسے عام لوگ پڑھتے ہیں اس لیے ضروری تحریر میں ایسی خامیاں نہ ہوں کہ خاکہ لکھنے کی بجائے خاکہ اڑانے والی بات

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

ہوجائے۔ابو الاعجاز حفیظ صدیقی کے نزدیک خاکہ نگار کو ان خصائص کا حامل ہونا چاہیے:

"خاکہ نگار کے لیے کئی بنیادی شرطیں ہیں۔ مثلاً نگاہ تیز رس اور تہہ بیں ہو ۔ جس شخص کا خاکہ لکھنا ہو اس کی کمزوریوں اور شہ زوریوں کو ہمدردی اور انصاف سے دیکھ سکے۔ اسلوب میں اتنی لچک ہو کہ کمزوریوں کا بیان کرتے ہوئے لب و لہجہ ہجو گوئی کا نہ ہو جائے اور خوبیاں گنواتے ہوئے مصاحب نہ معلوم ہو۔"(۷)

خاکہ لکھتے ہوئے جتنے بھرپور اندازمیں خاکہ نگاری کے اصولوں کو اپنایا جائے گا اتنا ہی بہترین خاکہ سامنے آئے گا۔ ہم خاکہ کو شخصیت کی ہو بہو عکاسی کا نام دے سکتے ہیں کیونکہ خاکے میں ہم کسی شخص کے مزاج ، اُس کی اُفتاد طبع ، انداز فکر و عمل اور اس کی شخصیت کے مثبت و منفی پہلوؤں سے روشناس ہوتے ہیں اس لیے شخصیت کی ہوبہو عکاسی کرنا ہی خاکہ نگاری کا بنیادی مقصد ہے۔ خاکہ نگاری ،سوانح نگاری سے بالکل مختلف فن ہے کیونکہ اس میں واقعات کو زمانی ترتیب کی بجائے اس ترتیب سے بیان کیا جاتا ہے جس سے تاثر کا بھرپوراظہار ہو سکے ۔ اختصار و جامعیت خاکہ نگاری کا بنیادی وصف ہے۔

خاکہ نگاری کے لیے جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے شمیم حیدر ترمذی میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں۔ خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ رواداار اور انصاف پسند ہو ، وہ حیران کن حد تک روادار اور حد سے زیادہ انصاف پسند واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے احباب کے جو بھی خاکے تحریر کیے ہیں، اُن میں نا انصافی کا شائبہ تک نہیں ۔ خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اختصار کا پہلو سامنے رکھے، وہ اس خصوصیت میں بھی کامیاب ٹھہرے ہیں۔ ان کے خاکوں میں جہاں باقی خوبیاں نظر آتی ہیں وہیں یہ خوبی بھی موجود ہے کہ وہ اختصار سے کام لیتے ہوئے کم سے کم الفاظ میں بات کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ مختلف اصناف ادب کے فرق کو سمجھتا ہو تا کہ خاکہ نگاری کے عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔ شمیم حیدر ترمذی کی تحریروں میں ہمیں یہ خوبی نظر آتی ہے۔ ان کے انشائے لطیف اور خاکہ نگاری کے اسلوب میں ایک حد فاصل ہے۔ خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ تعصب سے پاک ہواور یہی خوبی ہمیں اِن کے اسلوب میں بھی نظر آتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خلق خدا کا دل دکھانا گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں۔ ان کی اس خصوصیت کے متعلق انور جمال "میں اور میرے" کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

"میل ملاقات اور یاری دوستی کے سلسلے میں شمیم حیدر ترمذی ایک مستقل نظریہ رکھتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کو خامیوں کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ وہ ہر دم دوست کی خوبیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔"(۸)

یہ انداز فکر شمیم حیدر ترمذی کو شائستہ مزاج شخص بناتا ہے بلکہ کامیاب خاکہ نگار بننے میں بھی کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ وہ دوستی نبھانا جانتے ہیں اور ایسی دوستی بعض اوقات یک طرفہ ہو جاتی ہے۔ دوستوں کی کمزوریوں کو اس خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں کہ ان پر خوبیوں کا گمان گزرتا ہے۔ انہوں نے ہر دوست کی شخصیت کے مطابق اسلوب اختیار کیا ہے۔ ایسے دوست جن سے ان کی بے تکلفی تھی ، اُن کے لیے اپنی تحریر میں بے تکلف انداز اختیار کیا ہے۔ لیکن اس بے تکلفی میں عامیانہ عنصر کو مطلق دخل نہیں ہے۔ محترم شخصیات کے لیے انہوں نے ادب آمیز اسلوب اختیار کیا ہے جب کہ ہم مرتبہ دوستوں کے

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

لیے عاجزی میں لپٹا ہوا اسلوب نمایاں ہے۔ شمیم حیدر ترمذی کا یہ اسلوب صرف انہی سے منسوب ہے۔ اُنھوں نے خاکہ نگاری کو نیا انداز اور زاویہ فراہم کیا ہے۔ لیکن یہ خوبی ایسی ہے جو سچائی کے راستے میں رکاوٹ پید ا کر سکتی ہے۔ خاکہ نگاری کے مروجہ تمام اصولوں کوبروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے اس صنف نثر کے لیے کچھ اپنے اصول بھی وضع کیے ہیں ۔ خاکہ لکھتے ہوئے شاید انہیں خود بھی اس بات کا احساس نہ ہو کہ وہ خاکہ نگاری میں ایک نئی راہ نکالنے جا رہے ہیں۔ شمیم حیدر ترمذی کے ہنستے بولتے لفظ شخصیت کی بولتی چالتی تصویر قاری کے سامنے لا کھڑی کرتے ہیں۔ اُنھوں نے جس شخص پر بھی قلم اٹھایا ہے اُسے مثالی کردار بنا دیا ہے۔ شمیم حیدر ترمذی کے خاکے پڑھنے کے بعد اس شخص سے ملنے کی خواہش پیدا ہونے لگتی ہے جس کا خاکہ ہم پڑھ رہے ہوں۔

"میں اور میرے" میں شامل اٹھائیس خاکے ان احباب اور تعلق داروں کے ہیں جن سے شمیم حیدر ترمذی کی واقفیت تقریباً نصف صدی سے چلی آ رہی تھی۔ ان میں زیادہ تر رات دن کے بے تکلف دوستوں کے خاکے ہیں جو انہوں نے اپنے دوستوں کی کتاب کی تقریب رو نمائی میں پڑھے ہیں۔اِن میں رول ماڈل، استاد، رفقائے کار اور شاگردوں کے خاکے ہیں۔ ان سب باتوں میں ایک بات مشترک ہے وہ یہ کہ دوستوں کی زندگی میں موجود ایجابی پہلوؤں پر ان کا ایمان پختہ ہے۔ کتاب میں موجود سب سے پہلا خاکہ ڈاکٹر صاحب کے دیرینہ دوست "نعیم چوہدری" کا ہے۔ نعیم چودھری کا ڈاکٹر صاحب سے تعلق دوستانہ کم اور عقیدت مندانہ زیادہ ہے۔ اس خاکے کے اسلوب کا دیگر نامور خاکہ نگاروں کے اسلوب سے تقابل کیا جائے تو یہ ایک بہترین خاکہ ہے۔اُن کے تمام خاکے خاکہ نگاری کے فن پر پورا اترتے ہیں۔

نعیم چودھری کا خاکہ پڑھنے کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے کہ موصوف کون ہے اور کیا ہے؟ اس کا کردار مختلف جہات کی صورت میں سامنے آتا ہے اور ہر جہت کا اپنا منفرد اور انوکھا رنگ ہے۔ یہ ایسا کردار ہے جو سوائے محبت کے کسی اور راستے پر نہیں چلتا اور اس راستے پر چلتے ہوئے اگر نعیم چودھری کو اپنی ذات کو لٹوانا پڑے تو ہرگز گریز نہیں کریں گے ۔ کسی بھی شخص کی یہی خوبی اسے زندہ جاوید کر سکتی ہے۔ خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ خاکہ نگاری اور دوسری اصناف نثر کے درمیان فرق کو ملحوظ خاطر رکھے۔ شمیم حیدر ترمذی نے کامیابی سے اس فن کو اپنے ہر خاکے میں برتا ہے۔ ان کے تمام خاکے خاکہ نگاری کے فن پر پورا اترتے ہیں۔کچھ خاکہ نگار ایسا انداز اپناتے ہیں کہ خاکہ کی پہلی چند سطریں پڑھنے سے اندازہ ہو تا ہے کہ جیسے مضمون پڑھ رہے ہوں اور آگے جا کر بات کھلتی ہے کہ یہ تو خاکہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے خاکوں میں کہیں بھی یہ سقم نہیں ہے۔ آغاز خاکہ سے ہی شخصیت کا تعارف ہو جاتا ہے اور اس تعارف میں وہ مبالغہ آرائی سے بھی کام لیتے ہیں۔ اس مبالغہ کا مقصد اپنے زورِ قلم کا دکھاوا ہے اور نہ متعلقہ شخصیت کی بے جا تعریف و توصیف ہے بلکہ یہ مبالغہ اُن سے بے تکلفانہ تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اس تعلق کے اظہار کے لیے لفظوں کا انتخاب بھی بہت اچھا ہے۔ نعیم چودھری کا خاکہ"میرا پیر۔۔۔ہمارا پیر" سے اقتباس ملاحظہ کریں:

"ایک برفانی صبح مجھے ایک شخص نائٹ گاؤن پہنے کوئی پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر نظر آیا۔ اس کا جسم حرکت میں تھا ۔ لیکن یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ ۸۰ انچ اس طرف آ رہے ہیں یا اس طرف جا رہے ہیں۔ منظر ذرا صاف ہو اتو پتہ چلا کہ اس سروِ رواں کا رخ میری طرف ہے۔ فاصلہ اور کم ہوا تو گناہ گار آنکھوں نے عجیب نظارہ دیکھا۔ میری جانب اُمڈتا ہوا وہ جسم

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

ایک نہیں تھا بلکہ اعضا کم از کم تین چار محاذوں پر صاحبِ جسم سے کُھلی بغاوت کر رہے تھے۔"(۹)

یہ مبالغہ آمیز انداز اس لیے نہیں اپنایا گیا کہ شخصیت کی خامیوں کو سامنے لایا جائے اور نہ اس لیے کہ دل آزاری کا باعث بنے بلکہ مبالغہ آگے چل کر خاکے کی لطیف خوبی بن جاتا ہے۔ مثلاً:

"نائٹ گاؤن والی شے بالکل سامنے آئی تو پتہ چلاکہ اس لچکتے ، اُچکتے ، پھسلتے اور پیچ کھا کر نکلتے جسم کو عرف عام میں نعیم چودھری کہتے ہیَں جو میرا پیر بھی ہے اور دست گیر بھی۔"(۱۰)

پہلے اقتباس میں ایک عجیب و غریب نعیم چودھری کا عکس اُبھرنے لگتا ہے جب کہ دوسرے اقتباس میں یکا یک اس کی سچی اور کھری تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ یہی خوبی ہمیں شمیم حیدر ترمذی کے ایک اور خاکے "خواجہ صاحب" میں بھی ملتی ہے ڈاکٹر صاحب کاخواجہ خورشید احمد سے تعلق قریباً نصف صدی پر محیط ہے۔ انہوں نے اپنی ملازمت کا بیشتر حصہ خواجہ صاحب کے ساتھ گزارا۔ خواجہ صاحب کی خاص بات یہ تھی کہ وہ فیض اور صوفی تبسم کے شاگردوں میں سے تھے۔ اکثر پنجابی زبان میں بات کرتے لیکن اُردو یا انگریزی میں بولتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے سچے موتیوں سے ہا ربن رہا ہو۔خواجہ خورشیداحمد کا خاکہ" خواجہ صاحب" سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"وجاہت ، نفاست ، ذکاوت، علم وتعلّم سے خاص مناسبت اور پھولوں سے والہانہ محبت ، خواجہ خورشید احمد صاحب کی شخصیت کی چند نشانیاں ہیں ۔"(۱۱)

خواجہ صاحب کے خاکے میں شمیم حیدر ترمذی کہتےہیں کہ خواجہ صاحب گفتگو کے بے تاج بادشاہ تھے۔ بات کرتے تو لفظوں سے پھول جھڑتے تھے۔ علامہ اقبال او رمولانا ابوالکلام کے معنوی شاگرد سمجھے جاتے تھے۔ جب کسی موضوع پر لب کشائی کرتے تو بات سے بات نکلتی چلی جاتی لیکن ایسی شستہ کہ سننے والے پر گراں نہ گزرتی۔"خواجہ صاحب" کے خاکے میں اُن کا کہنا ہے:

"خواجہ صاحب گفتگو کے بے تاج بادشاہ تھے۔ اُن کی محفل سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میرے پاس اُن کی گفتگو کے سینکڑوں قابل ذکر ٹکڑے ہیں۔ جو سوانح میں تو لائے جا سکتے ہیں۔ لیکن خاکہ میں نہیں سما سکتے۔"(۱۲)

خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیر جانبداری سے کام لیتے ہوئے اپنی سوچ کو متوازن رکھے۔ فطرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ فکر میں اعتدال رکھتے ہوئے دوست ، احباب کے درمیان عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے تمام خاکوں میں شخصیات سے پورا پورا انصاف کیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ انہوں نے اس سلسلے میں خوفِ خدا سے کام لیا ہے۔ وہ شخصیت کے ظاہری باطنی اوصاف میں داغ دھبے دیکھنے کے متمنی نہیں ہیں بلکہ صاف اور مثبت ذہن کے مالک ہیں۔ دوسروں کی صرف کمزوریوں کو نمایاں کرنا ان کا مدعا نہیں ہے۔

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

انور جمال ملتان کی مشہور ادبی شخصیت ہیں۔ شمیم حیدر ترمذی سے ان کی دیرینہ دوستی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے انور جمال پر "پیر بھائی...... انور جمال" کے عنوان سے خاکہ لکھا ہے۔ اس خاکے سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ دوسروں کی خامیوں کو اچھالنا ان کا مدعا نہیں:

> "جسمانی قد میں ، میں بڑا اور انور جمال مجھ سے قدرے چھوٹا ہے۔ لیکن علمی قد میں ، انور جمال بڑا اور میں اس سے بہت چھوٹا ہوں۔ وہ شاعر ہے اور میں شاعر نہیں ہوں۔ وہ خدا پرست ہے اور میں خود پرست ہوں۔ وہ دوسروں سے کھُل کھلا کر ملتا ہے اور میں انا کے گنبد میں چھپا بیٹھا ہوں۔ وہ عالی دماغ ہے۔ میں بد دماغ ہوں۔ " (۱۳)

شمیم حیدر ترمذی کی یہ خوبی پڑھنے والے کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے کہ وہ شخصیت کے ظاہری اوصاف بیان کرنے کی بجائے باطن میں چھپی حقیقت کو گرفت میں لیتے ہیں۔ اس حقیقت میں وہ تعصب سے پہلو بچا کر چلتے ہیں اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

کسر نفسی اور انکسار و عاجزی سے کام لیتے ہوئے اپنے دوستوں کی عزت و مرتبے کو بڑھانا ہی ڈاکٹر صاحب کا مقصد ہے ۔ وہ کسی کی تضحیک نہیں کرنا چاہتے ۔ اپنی تحریر سے کسی کی دل آزاری و حوصلہ شکنی کرناگناہ کبیرہ تصور کرتے ہیں۔ خاکہ لکھتے ہوئے تحریر میں چھوٹے چھوٹے جملے شگفتہ انداز سے استعمال کرتے ہیں جو ہلکے پھلکے مزاح کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ امر ا س شخصیت سے عقیدت رکھنے والوں کے لیے دل آزاری کی بجائے دل جوئی کا سبب بنتا ہے۔ شمیم حیدر ترمذی کا یہی انداز وہ اسلوب ہے جو صرف انہی کا اپنایا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے تمام خاکوں میں بڑی خوبصورتی سے اس خوبی کا استعمال کیا ہے۔ اس سے خود ڈاکٹر صاحب کی مثبت شخصیت اپنے پڑھنے والوں پر کھلتی ہے۔

انور جمال کا خاکہ اس خوبصورتی سے کھینچا ہے کہ مزاح کا عنصر ہوتے ہوئے بھی سنجیدگی کا عنصر غالب رہتا ہے۔ وہ صرف شخصیت کا تعارف نہیں کروانا چاہتے بلکہ اس کے تمام شخصی پہلوؤں کو سامنے لانا چاہتے ہیں۔"پیر بھائی --- انور جمال" کے خاکے سے ایک اوراقتباس دیکھیں:

> "انور حسین بھٹی کو انور جمال بننے میں خاصا وقت لگا ہے۔ انور حسین کی صلاحیتوں کا سونا ایک عرصے تک حالات کی بھٹی میں پگھلتا رہا ۔ جب کندن بنا تو جمال میں ڈھلا ہوا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے زندگی کو کبھی بھی Casual نہیں لیا ۔اس نے ہر ہر لمحے سے کامرانی کشید کی ہے۔ "(۱٤)

جناب لطیف الزماں خان پر "خان اعظم " کے عنوان سے خاکہ لکھا۔ خان صاحب سے بھی شمیم حیدر ترمذی کی دوستی قریباً نصف صدی پر محیط تھی۔ لطیف الزماں خان پیشہ کے لحاظ سے انگریزی کے استاد تھےلیکن غالبیات پر مشتمل بیش بہا کتابوں کی لائبیریری ان کی پہچان بنی۔ ڈاکٹر صاحب نے جہاں اپنے خاکے "خان اعظم" میں لطیف الزماں کی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے وہاں ان کی شخصی کمزوریوں کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ قاری کو ان سے ہمدردی ہونے لگتی ہے ۔"خان اعظم" کا اقتباس ملاحظہ کریں:

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

"خان صاحب کی معرفت کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ، ان کے مزاج کی آتش فشانی کیفیت ہے۔ ان کے اندر کا آتش فشاں اکثر زندہ ہوتا ہے یا پھر کبھی کبھی خُفتہ،مردہ بہرحال کبھی نہیں ہوتا۔جب یہ آتش فشاں لاوا اُگل رہا ہو تو مجھ ایسے کمزور دل نفوس زلزلے کے خوف سے ذرا دور چلے جاتے ہیں۔ ہاں یار لوگ زیادہ دور بھی نہیں جاتے کہ انہیں آتش فشانی عمل کے رُکتے ہی اس پہاڑ کے دامن میں پھر سے بستیاں بساناہوتی ہیں........اس بستی میں میری بھی ایک چھوٹی سی ایک کٹیا ہے۔ جسے اب اُجڑ کر بسنے اور بس کر اجڑنے کی عادت سی پڑ گئی ہے۔ "(۱۵)

ایک اور خوبی جسے کامیاب خاکہ لکھنے کے لیے پہلا قدم قرار دیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ شخصیت کا انتخاب ! ان شخصیات کو منتخب کیا جائے جن سے گہری شناسائی ہو ۔ ایسی شخصیات جن سے محض سرسری تعلق ہووہ کامیاب خاکہ کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسے خاکے حقیقت کی بجائے قیاس کی مدد سے لکھے جاتے ہیں۔ جن میں غلطیوں کا امکان کافی حد تک بڑھ جاتا ہے۔ شمیم حیدر ترمذی نے اپنے خاکوں میں اس بات کا مکمل خیال رکھا ہے۔ انہوں نے صرف انہی شخصیات پر قلم اٹھایا ہے جن سے ان کا دیرینہ اور قلبی تعلق رہا ہے۔ اُن میں شاگرد، دوست ، احباب سے لے کر کچھ ان کے عقیدت مند تو کسی کے وہ خود عقیدت مند نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ان کی زندگی کو فنی چابکدستی سے یوں تحریر میں سمویا ہے جیسے زندگی گزاری تو اُن کے دوستوں نے ہولیکن بیتی ڈاکٹر صاحب پر ہو۔ تمام احباب کے خاکے پڑھ لینے کے بعد وہ قاری کو شمیم حیدر ترمذی کی ذات کا حصہ نظر آتے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی نفسیات ،ان کے کردار و اعمال سے کس قدر واقف ہیں!؟

انہی خاکوں میں ایک "فیاض تحسین" کا خاکہ بھی ہے جو شمیم حیدر ترمذی کے پرانے دوست ہیں۔ وہ رشتوں ناتوں کو نبھانے میں ہر وقت سر گرم نظر آتے ہیں۔ کوئی مصلحت سچ بولنے اور پورا سچ بولنے سے انہیں نہیں روکتی۔اُن کی ساری خصوصیات ڈاکٹر صاحب بخوبی جانتے ہیں۔فیاض تحسین کے بارے میں ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"فیاض کبھی کبھی عجیب حرکتیں کرتا ہے۔ کبھی اس کا ردعمل اور رویہ نا پسندیدہ لگتا ہے۔ کبھی وہ خود پرست، بد دماغ اور مغرور نظر آتا ہے لیکن صرف ان لوگوں کو جو اس سے پوری طرح واقف نہیں یا جو درو دیوار کو باہر سے دیکھ کر عمارت کے اندرونی ماحول کا اندازہ لگاتے ہیں۔ یہی لوگ جب فیاض کی شخصیت کی عمارت میں داخل ہوتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اندر کھلے صحن ، روشن دالان اور ہوا دار کمرے ہیں۔ اندر ایسا ماحول ہے جو آنکھوں کو اعتماد کی تنویر اور دلوں کو اعتبار کی جاگیر دیتا ہے۔ "(۱٦)

اس اقتباس میں ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے فیاض تحسین کی ذات خاکہ نگار پر دھیرے دھیرے کھُل رہی ہے۔ یہ شخصیت شناسی کی ایک بہترین مثال ہے۔ اس خاکے کو پڑھنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کی قوت مشاہدہ کا احساس ہوتا ہے۔ شخصیت شناسی کا گوہر ہر کسی کے پا س نہیں ہوتا ۔ انسان کو سمجھنا اگر آسان ہو جائے تو زندگی کی بیشتر مشکلیں آسان ہو جائیں۔ انسانی مزاج میں تضاد اور پیچیدگی فطرت کا تقاضا ہے اور اس پیچیدگی کو

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

سمجھنے کا فن خدا کسی کسی کو ودیعت کرتا ہے۔ ماضی کی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے تو شخصیت شناسی کو علم کا درجہ حاصل ہے۔شمیم حیدر ترمذی اس علم پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔جب تک کسی شخص کو وہ مکمل طور پر نہ جان لیں، اس پر قلم نہیں اُٹھاتے۔ ایسا ہی ایک خاکہ عرش صدیقی کا ہے۔ عرش صدیقی کا خاکہ پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے۔ جیسے دو توانائی کے دھارے آپس میں مل رہے ہوں۔انہوں نے عرش صدیقی کی شخصیت کو اپنے باطن میں شامل کر کے قلم کے ذریعے دوسروں پر آشکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس خاکے کا عنوان"عرش صدیقی کی خامیاں" ہے۔ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔ جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں کی شخصیت سے کس حد تک واقف تھے:

> "عرش صدیقی کی دوسری خامی یہ ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں کہ اسے کیا ہونا چاہیے تھا؟ اتنا بڑا شاعر ، اتنا بڑا نقاد، اتنا بڑا افسانہ نگار ہونے کے ناتے اسے عصائے موسیٰ کا ہم زاد اژدھا ہونا چاہیے تھا۔ جو رسیوں کے سانپوں کو نگل جاتا۔ مگر یہ شخص سانپوں پر بین آزمانے کی بجائے ،انہیں نابود کرنے کی بجائے ، دودھ پلاتا ہے۔ انہیں اپنی آستینوں میں پالتا ہے۔ عرش صدیقی کو وہ گھنا درخت ہونا چاہیے تھا جس کے سائے میں اُگنے والے پودے سر نکالنے سے پہلے ہی اس کی ہیبت سے دم توڑ دیتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب چھتنار ہے کہ اپنی جڑوں ، اپنے ریشوں کی طراوت سے پودوں کی آبیاری کرتا ہے اور انہیں اپنے سے زیادہ قد آور اور سایہ دار دیکھنا چاہتا ہے۔ "(۱۷)

اس خاکے میں شمیم حیدر ترمذی نے بظاہر کمزوریوں کو بیان کیا ہے۔ لیکن قاری اچھی طرح سمجھتا ہے کہ یہ کمزوریاں نہیں بلکہ خوبیاں ہیں اور ان خوبیوں کے بغیر وہ کبھی بھی کامیاب ادبی شخصیت نہیں بن سکتے۔ "میں اور میرے" خاکوں کے مجموعے میں ایک خاکہ اُن کے دوست اور عقیدت مند ابن حنیف کا بھی ہے ۔ڈاکٹر صاحب ابن حنیف کے عقیدت مندوں میں سے ہیں ۔ یہ خاکہ" سومیری دور کا انسان" کے عنوان سے ہے۔ اس خاکے سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "ابن حنیف کا اصل نام ظریف بیگ ہے جو کہ شریف بیگ ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ اس ذات شریف کا ظرافت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ آپ خود ہی سوچیے کہ جس شخص نے نصف صدی عشتار اور حشطی پُسط کی زلفوں کی اسیری میں کاٹی ہو۔ جس نے جوانی میں طوفانِ نوح کی ہولناک موجوں کا کھیل کشتی ظلمات میں سوار ہو کر دیکھا ہو ۔ جس کی زندگی کا بڑا حصہ اخناتون، گل گامش، اور توتمس کے درباروں کی جلالی فضا میں گزرا ہو......... وہ بھلا ظریف کیسے ہو سکتا یا رہ سکتا ہے۔ "(۱۸)

خاکہ نگاری کے لیے شخصیت کے انتخاب کے بعد واقعات کی ترتیب کا کام آتا ہے۔ واقعات کی ترتیب میں زمانی بعد کا خیال نہیں رکھا جاتابلکہ واقعات کو اس طرح جوڑا جاتا ہے کہ ان کی ترتیب سے شخصیت کے تمام پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد مل سکے ۔ اُردو کے تمام بڑے خاکہ نگاروں میں یہ خصوصیت دیکھنے کو ملتی ہے۔ جن خاکہ نگاروں نے اس اصول کی پابندی سے انحراف کیا ہے وہ اردو ادب کو معیاری خاکہ دینے میں ناکام رہے ہیں ۔ شمیم

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

حیدر ترمذی اس اصول سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے تمام خاکوں میں یہ خصوصیت یکساں نظر آتی ہے۔ البتہ یہ بات قابل بحث ضرور ہے کہ وہ اس اصول کو اپنے خاکوں میں برتنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں؟ اُن کے ہاں واقعات کی بُنت ویسی نظر نہیں آتی جیسی اُردو کے بڑے خاکہ نگار جیسے مولوی عبد الحق ، شاہد احمد دہلوی، رشید احمد صدیقی وغیرہ کے ہاں نظر آتی ہے۔ البتہ واقعات کی ترتیب اور بیان سے وہ شگفتہ مزاح پیدا کرتے ہیں۔ ابن حنیف پر خاکہ "سومیری دور کا انسان" سے ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے:

"ہم گفتگو میں لگ گئے ، بات آثاریات کی تھی۔ گفتگو کے دوران میں ابن حنیف کا جوش ، خلوص اور خشو ع و خضوع دیدنی تھا۔ جوش خطابت بڑھا تو موصوف اپنا کپ ختم کرنے کے بعد میرے کپ پر بھی ہاتھ صاف کر گئے۔ پھر اپنے سامنے ایک کی جگہ دو پیالیاں دیکھ کر فرمانے لگے؛

شمیم صاحب!

شاید میں آپ کا کپ بھی پی گیا۔"(۱۹)

" اقبال ساغر صدیقی" کا خاکہ جس میں شمیم حیدر ترمذی واقعات کی ترتیب کی مدد سے شخصیت کے ظاہری و باطن پہلوؤں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے،دوسرے خاکوں کی طرح اس خاکے میں بھی شخصیت کے اوصاف بیان کرتے ہوئے واقعات سے بہت کم مدد لی ہے۔ لیکن جہاں کہیں واقعے کا انتخاب کیا ہے۔ اسے بڑی خوبصورتی سے خاکے کا حصہ بنا دیا ہے۔ عام طور پر ایک ہی واقعے کو بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ لیکن اسی ایک پہلو سے پوری شخصیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ "اقبال ساغر صدیقی" سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"ساغر صاحب نماز کے سلسلے میں واقعی بڑے نو مسلم واقع ہوئے ہیں...ایک روز میں ان کے گھر پہنچا تو پتا چلا کہ حضرت نماز پڑھنے مسجد تک گئے ہیں...خیر میں انکے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ساغر صاحب تشریف لائے تو سر پر مسجد کی ٹوپی تھی۔ جسے موصوف نمازکے بعد اُتارنا شاید بھول گئے تھے۔ میں نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی پوچھا؛

ساغر صاحب!

یہ ٹوپی نئی لی ہے کیا؟ ، کھسیانے ہو کر بولے ، اوہ یہ پھر آ گئی میرے ساتھ، جب میں نے اس "پھر" کی وضاحت چاہی تو حضرت خود تو خاموش رہے البتہ پرنس آف ویلز بولے۔ آج مسجد کی جو ٹوپی غلطی سے ابو گھر لائے ہیں ، خیر سے دسویں ہے۔"(۲۰)

اگر وہ کسی شخصیت کی خامیوں کو گنواتے بھی ہیں تو ایسے رازدارانہ انداز میں کہ وہ خامی کم اور خوبی زیادہ لگتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ خوبی اُنہیں بڑے خاکہ نگاروں میں شامل کرتی ہے۔"میرا مؤدب شاگرد" اُن کے شاگر د مہر گل محمد کا خاکہ ہے۔ اس خاکے کو پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ اُس کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جس کا کام چوری چُکاری کرنے اور بھولے بھالے لوگوں کو نقصان پہنچانا ہے۔ ان خاندانی روایات کو نبھانے میں وہ

Online ISSN 3007-3197 Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

پیش پیش رہا ہے لیکن ڈاکٹرصاحب نے اس کے خاکے میں تعارف اس انداز میں کروایا ہے کہ خامیوں اور کمزوریوں کا مجموعہ ہونے کے باوجود اُس کی ذات قابل محبت لگتی ہے۔ "میرا مؤدب شاگرد" سے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"دریا کے کنارے بسنے والے مہروں کے بڑوں کے مشاغل میں چوری ،ڈاکہ اور قتل و غارت ایسے معصوم و ظائف شامل رہے ہیں اور یقین کیجئے کہ گُل محمد کے کہلائے آخری گُل یعنی آخری مقدمے کا فیصلہ اُن دنوں ہوا جب وہ بی۔اے میں پڑھتا تھا۔ سُنا ہے اُس وقت مہر گُل محمد نے دل کی گہرائیوں سے توبہ کی کہ وہ تاحیات کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہیں کرے گا جو خدا کے بندوں کو نظر آئے۔ رہی بات صرف خدا کو نظرآنے والے گناہوں کی، قبلہ ! ان سے توبہ اور احتراز تو حق بندی سے دست بردار ہونے والی بات ہے بھلا فرشتوں کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔"(۲۱)

شمیم حیدر ترمذی نے اس خاکے میں مصلح کا کردار ادا کرنے سے گریز کیا ہے۔ البتہ مہر گل محمد سے ہمدردی کا احساس ضرور موجود ہے۔ ہمدردی سے مراد یہ بھی نہیں کہ خاکہ نگار نے متعلقہ شخصیت کی خامیوں کو خوبیوں میں بدل دیا ہے بعض اوقات تو یہی خامیاں کسی شخص کے پیکر میں رنگ بھرنے کا کام دیتی ہیں کیونکہ دنیا صرف اچھے لوگوں کے لیے نہیں بنی ،بُروں کا بھی اس میں حصہ ہے۔

خاکہ نگار کی تنقیدی بصیرت نہ صرف شخصیت کا انتخاب ، مطلقہ شخصیت سے وابستہ واقعات اور ان کی ترتیب میں اہم کردار ادا کرتی ہے بلکہ اس کا مقصد تو دبیز پردوں میں چھپی شخصیت کے اوصاف کو سامنے لانا بھی ہے ۔خاکہ نگار نقاد کا کام نہیں کرتا اور اس شخص کی اصلاح سے بھی کوئی تعلق نہیں ہوتا جس کا خاکہ لکھا جا رہا ہوتا ہے۔ شمیم حیدر ترمذی کے خاکوں میں یہ خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں انہوں نے اپنے تمام خاکوں میں کسی بھی شخصیت کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے یا کسی قسم کا حکم نامہ جاری کرنے سے گریز کیا ہے۔"میرا مودّب شاگرد"میں ڈاکٹر صاحب اپنے شاگرد مہر گل محمد کا ذکر کرتے ہوئے جہاں اس میں موجود معاشرتی و اخلاقی برائیوں کا ذکر کرتے ہیں وہاں نہ تو کسی قسم کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں اور نہ ہی مہر گل محمد کی شخصیت کے بارے میں کوئی حکم نامہ جاری کرتے ہیں۔ اس کی ایک اور مثال صلاح الدین حیدر کے خاکے "عجیب شخص "میں دیکھیے:

"صلاح الدین حیدر نے اُردو ادب کی بیش بہا خدمت کی۔ گواہی کے لیے "ڈر اور ڈراما"، "حماقتیں میرے مقدر میں" اور "خزاں کے قیدی" کافی ہیں۔ لیکن اُردو زبان سے حضرت کا تعلق معاندانہ سا رہا ہے۔ موصوف کے پی ۔ایچ ڈی ہونے سے پہلے اُردو زبان کسی حد تک محفوظ و مامون خیال کی جاتی تھی۔ اب عافیت کا امکان دور دور تک نظر نہیں آتا۔ مستند ہونے کے بعد، ظاہر ہے، ڈاکٹر حیدر کی یلغار لشکر زبان پر کچھ زیادہ ہی شدید ہو گئی۔ یوں سمجھ لیجئے صلاح الدین حیدر نے اُردو تلفظ ، فصاحت و بلاغت اور عروض کے ساتھ وہی کیا جو ن۔م راشد نے دیارِ غیر میں اپنے آقا انگریز

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

کے ساتھ اور ہمارے نعیم چودھری نے اپنے وطن میں التزاماً انگریزی کے ساتھ کیا۔" (۲۲)

شمیم حیدر ترمذی، ذات، صفات اور نفسیات کو یک جا کرنے کے بعد خاکہ نگاری کرتے ہیں۔ اس طرح شخصیت کے پرت ایک ایک کر کے اُترنے لگتے ہیں ۔ اس کے بعد ایک ایک حقیقی شخصیت قاری کے سامنے آشکار ہوتی ہے۔ نعیم چودھری کا خاکہ اُن کے حسن اسلوب کی بہترین مثال ہے جس سے تحریر کا حسن اور اسلوب کی عمدگی قاری کو متاثر کرتی ہے ۔ ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"نعیم چودھری کے بارے میں کسی ظریف نے کہا تھا کہ وہ پہلی کِک میں سٹارٹ ہو جاتا ہے۔ واقعی وہ بے تکلف ہے اور جھجک یا احتیاط نامی کسی شے سے واقف نہیں۔ وہ محفل میں آتے ہی خود کو ظاہر کرنا چاہتا ہے لیکن اس اظہار کا مقصد اپنی نمائش نہیں بلکہ محفل کے چہرے سے سنجیدگی کانقاب نوچنا ہے اور اس مشن میں وہ ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔ چودھری جب موڈ میں ہوتا ہے تو اپنی سیاسی بصیرت ، کھیلوں ، فلموں اور موسیقی سے گہری واقفیت اپنے عظیم کرکٹر ہونے اپنے بے مثل منتظم ہونے کا ذکر کچھ زیادہ ہی زور دار انداز میں یعنی بڑھا چڑھا کر کرتا ہے۔"(۲۳)

خاکہ میں اختصار کا پہلو اختیارکرنا خاکہ نگاری کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے تاکہ لکھنے والا مختصر مگر جامع انداز میں اپنے موقف کی وضاحت کر سکے۔ اگر اندازِ بیاں طوالت اختیار کرے گا تو قاری جلد ہی ذہنی تھکاوٹ کا شکار ہو جائے گا۔ اختصار اسلوب کی ایسی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے عبارت میں ایک ربط پیدا ہوتا ہے جو پڑھنے والے کے لیے دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ شمیم حیدر ترمذی کے ہاں اختصار کا پہلو اکثر خاکوں میں ملتا ہے۔ وہ بعض اوقات ایک بات کی وضاحت کے لیے مسلسل مثالوں سے کام لیتے ہیں جو نا صرف خاکہ نگاری کے فن کو مجروح کرتی ہے بلکہ اس سے اسلوب میں غیر ضروری طوالت کا پہلو در آتا ہے۔ "سعید اشرف خان" کے خاکہ میں غیر ضروری وضاحت نظر آتی ہے:

"ریٹائر ہونا ہر ملازمت پیشہ شخص کی زندگی کا واقعہ ہے لیکن اس واقعہ کے اثرات ہر شخص پر ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ایک کے لیے ریٹائرمنٹ فرحت کا وسیلہ ہے تو دوسرے کے لیے سوہانِ روح ۔ایک کے لیے حیات نوکی نوید ہے تو دوسرے کے لیے موت کا پیغام۔ ایک کے لیے یہ شاخِ نبات ہے تو دوسرے کے لیے برگِ نے۔اس فرق ، اس اختلاف کا تعلق ریٹائر ہونے والوں کے انفرادی اختلاف سے ہے۔ ان کے مزاج اور اندازِ فکر سے ہے...جنہیں چہرے کی جھُریوں سے خوف آتا ہو۔ جنہیں زندگی میں بدہئیتی اور بے رنگی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا ہو اُن کے ریٹائرمنٹ قابوس ہے، روگ ہے، وحشت ہے، عذاب ہے۔" (۲٤)

درج بالا اقتباس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مختصر سی بات کو غیر ضروری طوالت دینے سے اظہار و ابلاغ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ الفاظ مصنف کا آئینہ ہوتے ہیں ،الفاظ کا

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197 Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

بے جا استعمال اس آئینے میں مصنف کی شخصیت کو دھندلا دیتا ہے۔اسی طرح شیخ محمد عبدالرحمن کےخاکے میں غیر ضروری طوالت نظر آتی ہے۔ اگر غیر ضروری تفصیل خاکے میں سے نکال دی جائے تب بھی شیخ صاحب پر ایک اچھا خاکہ ترتیب پا سکتا ہے۔ لیکن یہاں شیخ صاحب کی زندگی سے ہٹ کر غیر ضروری وضاحت موجود ہے، جسے ایک سطر میں بھی بیان کیا جا سکتا تھا۔ غیر ضروری وضاحت کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے:

"کہتے ہیں بیٹا نعمت ہوتا ہے اور بیٹی رحمت، شیخ صاحب کے ہاں رحمتوں کی جھڑی لگ گئی۔ خدا نے اپنی رحمت سے آٹھ بیٹیاں دیں جنہیں والدین نے اعلیٰ تعلیم اور ارفع تربیت کے جوہر سے مالا مال کر دیا۔ ان بیٹیوں نے گھر میں بیٹے کی کمی کبھی محسوس نہ ہونے دی۔ والدین نے اُنہیں وہ اعتماد اور ہمت دی جو آج کل بیٹوں میں بھی عنقا ہے۔ ان بیٹیوں نے زندگی کے مسائل کو خود اعتمادی سے حل کیا۔ یوں سمجھئے کہ انہوں نے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ "مردانہ وار" کیا۔ یہ شیخ صاحب کی بصیرت اور تربیت کا اعجاز ہے کہ ان کی بیٹیوں نے اُنہیں زندہ رکھا ہوا ہے۔ وہ اُن کے ادھورے کاموں کی تکمیل بڑی مستعدی سے کر رہی ہیں۔ وہ اپنے ماں باپ کے رشتوں اور تعلقات کو خلوص اور محبت سے قائم رکھے ہوئے ہیں۔" (۲۵)

بے جا طوالت اور غیر ضروری مواد نے تحریر میں سُقم پیدا کر دیا ہے۔ شخصیت سے منسلک صرف اُنہی واقعات کو ایک ترتیب اور جامع انداز میں بیان کرنا چائیے جو شخصیت کو سمجھنے میں مدد دیں۔ اس کے برعکس کی یہ تحریر قاری کے لیے معانی کی ترسیل میں تعطل پیدا کرتی ہے۔

شمیم حیدر ترمذی نے کم و بیش اپنے تمام خاکوں میں انگریزی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ انگریزی الفاظ کا حامل اُسلوب عوام کے لیے نہیں بلکہ خواص پسند بن جاتا ہے۔ عام قاری جو انگریزی سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا اس کے لیے معنی کی ترسیل میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں ،انور جمال کے خاکے میں یوں تحریر کرتے ہیں:

"انور جمال وہ شخص ہے جس نے زندگی کو کبھی بھیcasual نہیں لیا"(۲٦)

خواجہ خورشید احمد کے خاکے میں انگریزی الفاظ کا استعمال ملاحظہ فرمائیں:

"بات وہی کہ خواجہ صاحب کے کڑے معیار پر پورا اترنا ہے ۔ کالج میں ڈنر ہوتا تو پکویے کے شجرۂ نسب سے لے کر دیگوں کیSterlisation تک اور ڈشوں کی میز پر سجاوٹ سے لے کر بیروں کی یونیفارم کی تراش خراش تک سب امور کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ "(۲۷)

"خان اعظم" کے خاکے میں بھی انگریزی الفاظ کا استعمال دیکھیے:

"دوستی کی بات آئی تو ایک کھلے راز کو ذرا کھل کر بتانے کو جی چاہتا ہے۔ یاد رہے کہ خان صاحب کیAttractionsاور Repulsions بالکل واضح ہیں۔"(۲۸)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

شمیم حیدر ترمذی کے تمام خاکے عموماً خاکہ نگاری کے اصولوں پر پورا اُترتے ہیں۔ انہوں نے عظیم لوگوں پر قلم اُٹھا کر انہیں عظیم تر بنا دیا ہے۔ اپنے خاکوں کے ذریعے اپنے دوستوں ، عزیز و اقارب کی ذات کی چھان پھٹک کا کام لیا ہے۔ انہوں نے جن شخصیات پر بھی قلم اُٹھایا ہے ان کی خوبیوں خامیوں دونوں کو سامنے رکھا۔اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں ہر شخص کا ایک مقام ہے اس لیے وہ ہر شخص کو ناکامیوں کے ساتھ قبول کرتے ہیں ۔انہوں نے کسی بھی شخصیت پر طنز کے تیر نہیں برسائےبلکہ مزاح کے نیم گرم پانی سے ورم اُتارتے رہے۔ "میرا پیر، ہمارا پیر" سے مزاح کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

"مرید صرف چار ہیں اور ان چاروں کا ایمان ہے کہ اگلے جہان اُن کا حساب کتاب نہیں ہو گا۔ انہیں سید ھا جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ جہنم کی آگ اُن پر حرام ہو گی اس لیے کہ دنیا میں عذاب نعیم جھیلنے کے بعد آخرت میں کسی حساب کتاب اور عذاب الیم کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔"(۲۹)

یہ کہنا بجا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے خاکوں میں آفاقیت پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اپنے خاکوں میں شخصیات کے معروضی تجربے سے بھی کام لیا ہے۔ بعض اوقات وہ آغازِ خاکہ سے ہی کسی نہ کسی آفاقی قدر سے کام لیتے ہیں جو پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ڈاکٹر زیدی کے خاکے میں تحریر کرتے ہیں:

"فنا ہر ذی روح کا مقدر ہے۔ موت، زندگی کے سفر کا آخری پڑاؤ ہے۔ لیکن پتا نہیں کیوں؟ مجھے ہمیشہ سے مرنے کا انداز، زندگی کرنے کے طریقے سے زیادہ اہم لگتا ہے۔"(۳۰)

یہ سچ ہے کہ کوئی انسان مکمل نہیں ہے ہر انسان میں خوبیاں خامیاں موجود ہوتی ہیں یہی خوبیاں خامیاں انسان کی پہچان بنتی ہیں۔ عرش صدیقی کے خاکے کا آغاز اس طرح سے ہے:

"عرش صدیقی کی پہلی خامی یہ ہے کہ وہ ادھورا ہے اور ادھورا رہنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی شخصیت پر "تکمیل کا زخم" کارگر نہیں ہونے دیتا۔ "(۳۱)

شمیم حیدر ترمذی شخصیت کے منفرد پہلو سامنے لاتے ہیں یہی وہ مرحلہ ہے جہاں خاکہ نگار کی قلمی صلاحیتیں کندن بن کر سامنے آتی ہیں۔ خاکے کا مطلب کسی شخص کے بارے میں معلوم احوال کو من و عن پیش کرنا نہیں بلکہ حالات و واقعات کو ایک خاص ترتیب میں پرونا ہے تاکہ ایک جیتی جاگتی ، چلتی پھرتی تصویر قاری کے سامنے آسکے۔ اُن کے خاکوں میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وہ نہ صرف ظاہری و باطنی اوصاف پر نظر رکھتے ہیں بلکہ شخصیت کے نفسیاتی تجزیے سے بھی کام لیتے ہیں۔ وہ باتیں جو اخلاقی محاسن کا حصہ سمجھی جاتی ہیں اِن کے ساتھ اُن باتوں کا ذکر بھی شمیم حیدر ترمذی کے خاکوں میں موجود ہے جو کسی بھی مہذب معاشرے میں معیوب سمجھی جاتی ہیں تاکہ ایک متوازن شخصیت ہمارے سامنے آسکے۔ مجموعی طور پر خاکہ نگاری کے تمام اصولوں سے مزین ہو کر آفاقیت کا عنصر اُن کے ہاںدر آیا ہے۔ کامیاب خاکہ نگاری کے اصولوں کا سرسری ذکر کیا جائے تو ڈاکٹر صاحب کے تمام خاکوں میں یہ اصول کارفرما نظر آئیں گے، جہاں رواداری و انصاف پسندی سے کام لیا گیا ہے تو اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ کسی شخصیت کے معروضی تجزیے میں ناانصافی نہ ہو۔ غیر جانبداری خاکہ نگاری کا ایک اہم اصول ہے ۔ انہوں نے جس شخصیت پر بھی قلم اُٹھایا ہے اس کے ظاہری و باطنی اور تمام نفسیاتی جزئیات

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

کو سامنے رکھ کر غیر جانبداری کے ساتھ چلتی پھرتی تصویر پیش کی ہے۔ انہوں نے نہ تو مصلح بننے کی کوشش کی ہے اور نہ کسی کے متعلق کوئی حکم نامہ جاری کیا ہے۔ اور نہ ہی تنقیدی بصیرت کے بے جا استعمال سے کسی شخصیت کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ واقعات کا انتخاب اور پھر ان کی ترتیب خوبصورت انداز میں کی گئی ہے۔ اختصار کے پہلو کو بھی سامنے رکھتے ہیں لیکن کہیں کہیں بے جا طوالت کا عنصر در آیا ہے جو قاری کے لیے ذہنی تھکاوٹ کا باعث بنتا ہے ۔ انگریزی الفاظ کا استعمال بھی ابلاغ میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔ ان تمام مروجہ اصولوں سے ہٹ کر شمیم حیدر ترمذی نے کچھ نئے اصول اخذ کیے ہیں جو انہیں اس میدان میں نمایاں مقام دلاتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

ہاشمی ،رفیع الدین ، اضاف ادب ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،۲۰۰۸ءص۱۷۱
حفیظ صدیقی، ابو الاعجاز، تنقیدی اصطلاحات کا تعارف، لاہور،اُسلوب، ۲۰۱۵ء ص۲۱۲
یحییٰ امجد، فن اور فیصلے ، لاہور، اظہار سنز ۱۹۴۹ءص۱۵
بشیر سیفی، خاکہ نگاری، فن اور تنقید، راولپنڈی: شاخسار پبلشرز، ۱۹۹۰ءص۱۱
Haper Collins, Callins English Dictionary, 3rd-ed Glasgow, Haper Collions Publishers Po Box G4 ONB 1995, P:1448
آکسفورڈ،ایڈوانس لرنر ڈکشنری، کراچی: آکسفورڈ پریس، ۲۰۱۰ءص۱۲۰۵
حفیظ صدیقی، ابو الاعجاز، تنقیدی اصطلاحات کا تعارف، ص۲۱۳
انور جمال، پروفیسر، شمیم ترمذی کی خاکہ نگاری (دیباچہ)، مشمولہ "میں اور میرے"، شمیم حیدر ترمذی ، ملتان: ایس بی آر پرنٹرز، ۲۰۰۴ءص۲
ترمذی، شمیم حیدر، ڈاکٹر، میں اور میرے، ص ۲۱
ایضاً،ص۲۱
ایضاً،ص۴۱
ایضاً،ص۴۲
ایضاً،ص۳۹
ایضاً،ص۳۷،۳۸
ترمذی، شمیم حیدر، ڈاکٹر، میں اور میرے، ص ۵۴
ایضاً،ص۳۱
ایضاً،ص۵۵،۵۶
ایضاً،ص۶۱
ایضاً،ص۶۳
ایضاً،ص۸۵
ایضاً،ص۷۹
ایضاً،ص۷۵
ایضاً،ص۱۵
ایضاً،ص۹۰

Annual Methodological Archive Research Review
http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about
Volume 3, Issue 7.1 (2025)

Online ISSN 3007-3197
Print ISSN 3007-3189

http://amresearchreview.com/index.php/Journal/about

ايضاً،ص٦٨
ايضاً،ص١٩
ايضاً،ص٤٦
ايضاً،ص٥٧
ايضاً،ص٢٢
ايضاً،ص٢٩
ايضاً،ص٥٥